کی۔اس نیک کام میں تمام قریش قبائل نے حصہ لیا۔خانہ کعبہ کے مختلف حصے انہوں نے آپس میں تقسیم کیے اور خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ یہاں تک کہ حجر اسود کی تنصیب کا موقع آیا اس کارِ خیر کو انجام دینے میں سب قبائل آپس میں جھگڑنے لگے قریب تھا کہ نوبت خون ریزی تک آجاتی۔چار دن تک جاہلی انداز میں لڑائی جھگڑا جاری رہا۔پانچویں دن قریش کے معمر ترین آدمی نے یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے آئے گا وہ اس معاملے کا فیصلہ کرے گا۔کتب سیرت میں ہے کہ اگلے دن مشیتِ ایزدی سے سب سے پہلے تشریف لانے والی ہستی رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار منتخب کروایا اور چادر بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا سب منتخب شدہ سرداروں نے چادر کے کونے تھامے اور حجر اسود کو خانہ کعبہ کی طرف لے چلے۔وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر نصب فرمادیا(۴)۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ معاملہ اور بہترین تدبیر کا شہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہی معاشرہ میں ہو چکا تھا۔یہاں یہ تاثر ملتا ہے کہ اس تدبیر کے نتیجے میں جملہ قبائل کی اس اہم کام میں شرکت نے انہیں معزز بنادیا۔

آپؐ کی ذاتی صفات میں صدق، امانت، دیانت، راست بازی، ایفائے عہد، شرافت اور معاملہ فہمی کی شہادت آپؐ کے ساتھ رہنے والا ہر شخص دیتا تھا۔انہیں میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے جو آپؐ کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے ان کے بیان کے مطابق کاروباری معاملات میں آپؐ ہمیشہ نہایت شفاف معاملہ فرماتے اور کبھی مناقشہ کی نوبت نہ آتی۔ بعد از اعلان نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خالقِ حقیقی کی جانب سے دعوتِ حق کی عظیم ذمہ داری ڈالی گئی۔اس مرحلے پر آپؐ کی فطرت سلیمہ میں پائی جانے والی مفاہمانہ روش کے ساتھ جس معجزاتی طرز پر اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ آپؐ کی جانب سے انجام دیا گیا اس پر داعی و مبلغ اپنی پوری طاقت و ہمت سے عمل کرنا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔کہیں تو آپؐ تبلیغ کے جواب میں طنز و تشنیع سن کر متحمل مزاجی کا مظاہرہ فرماتے ہیں(۵) اور کہیں دعوت کے جواب میں ظلم و تشدد سہہ کر ظالموں کے حق میں دعائے خیر فرماتے ہیں(۶)۔کہیں آبائی وطن کو چھوڑنے پر مجبور کرنے والوں سے عام معافی کا معاملہ فرماتے ہیں(۷) اور کہیں مسلم افواج کو جاہلی انداز میں جانی و مالی نقصان پہنچانے والی اقوام و قبائل کی بیٹیوں کو حد درجہ تکریم سے نوازتے ہیں۔(۸)

قرآنی حکم **وانذر عشیرتک الاقربین** کے مطابق آپؐ نے دعوت و تبلیغ کا آغاز گھر سے کیا(۹) اس پُر تاثیر دعوت کی مثال نہیں ملتی کہ آپؐ کے قریب ترین ساتھی آپؐ پر فوراً ایمان لے آئے۔(۱۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپؐ کے عزیز دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپؐ کے ہر اقدام پر بھرپور اعتماد کرتے۔مخالفین کے اعصاب شکن حملوں کا مقابلہ کرنے میں آپؐ کی ڈھارس بندھاتے۔یہاں تک کہ دین پھیلنا شروع ہوا اور جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ساتھ ہی ساتھ مخالفین کے اذیت ناک حملوں میں بھی شدت آتی چلی گئی اور شعب ابی طالب میں محصوری کا پر آزمائش لمحہ آگیا۔(۱۱)

ریاست مدینہ جس کی تشکیل قبائلی عصبیت کو چھوڑ کر سراسر امت کی بنیاد پر تھی، اس کا تانا بانا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم وفراست اور بلند پایہ حکمت عملی کی ان گنت نشانیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

تشکیل ریاست میں پائیدار حکمت عملی:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے تیرہویں سال مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ مدینہ جس کا قدیم نام یثرب تھا مکہ مکرمہ کے شمال میں تقریباً گیارہ دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے یہ علاقائی اہمیت کا حامل تھا۔ مدینہ کے اہم قبائل میں تین بڑے یہودی قبائل بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع جبکہ دو قحطانی قبائل اوس اور خزرج شامل تھے(۱۲)۔ جس طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام عرب خلفشار کا شکار تھا اسی طرح یثرب کے باشندوں میں بھی باہمی اختلافات سنگین نوعیت کے تھے۔ ایسے میں جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو بظاہر یہ ناممکن تھا کہ جدید طرز پر ایک پرامن اور متحد ریاست کی شکل میں اس خطے کو بدلا جا سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مضبوط اور منفرد حکمت عملی کے نتیجے میں انتہائی قلیل عرصے میں یہاں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ایک مستحکم، پرامن اور جدید ریاست قائم ہوگئی۔

وہ کیا محرکات تھے جن کی بدولت مدینۃ النبیؐ کے باشندے باہم مل جل گئے؟ وہ کیا عناصر تھے جنہوں نے مدینۃ النبیؐ کے باشندوں کو آپؐ کو مشترکہ طور پر ثالث تسلیم کرنے پر آمادہ کیا؟ اور سیاست کے وہ کیا اسرار ورموز تھے جن کو اختیار کرتے ہوئے یہاں اسلامی جمہوری ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا؟ مذکورہ سوالات کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ وہی سب سے اعلیٰ سیاسی طرزِ عمل تھا، وہی سب سے پائیدار اور مضبوط مفاہمتی اقدام تھا جس کا انتظار اپنی پیدائش کے وقت سے زمین و آسمان کر رہے تھے، جب ماضی سے لے کر مستقبل تک کے کسی بھی جاہلی مفاہمتی عمل کو تاجدارِ مدینہ نے اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے عین اسلامی مفاہمتی عمل کی قابل تقلید مثال اپنی امت کے لیے قائم فرمادی۔ نہایت متوازن، نہایت سادہ، نہایت پُرحکمت، نہایت مضبوط اور نہایت منفرد اقدامات جو آپؐ نے اختیار فرمائے ان میں چند درج ذیل ہیں:

۱۔ مرکزیت اسلام کی علامت مسجدِ نبویؐ کی تعمیر ۲۔ مواخات
۳۔ میثاق مدینہ ودیگر معاہدات ۴۔ عدل وانصاف کے ساتھ حکم کا کردار
۵۔ جہاد ۶۔ دعوتِ دین ۷۔ فلاحِ عامہ کا دستور

تعمیر مسجدِ نبوی:

آپؐ نے مسجد نبویؐ کو مسلم مرکزیت کی علامت کے طور پر اختیار کیا جو تاجدار مدینہؐ کا انتہائی سادہ دنیاوی شان وشوکت کے ادنی سے اظہار سے بھی خالی مرکز امامت تھا، مگر اس کمزور عمارت کی پائیداری کا یہ عالم تھا کہ وقت کی عظیم الشان سلطنتوں کے شان دار محلات اس کے آگے ریت کے ڈھیر ہوگئے۔ تمام عالم میں تاجدارؐ مدینہ کے متعارف کردہ شرفِ

انسانیت کے تصور کا ایسا شہرہ ہوا کہ ظلم اور ناانصافی کے بڑے بڑے مراکز لمحوں میں نابود ہو گئے۔تعمیر مسجد نبوی جس کو ریاست مدینہ کے قیام کے عمل میں آپ نے اولین ترجیح کے طور پر اختیار فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفاہمت کے لیے کوئی بھی حکمت عملی تب تک پائیدار نہیں ہوسکتی جب تک اس کا اختیار کرنے والا گروہ اپنا مضبوط اندرونی مرکز نہ بنالے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تعمیر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھرپور حصہ لیا، صحابہ کرام اینٹیں اٹھاتے جاتے اور یہ مصرعہ پڑھتے جاتے۔

لئن قعدنا والرسول یعمل لذاک منا العمل المضلل(۱۳)

تکمیل مسجد نبوی کے بعد یہ مقام اسلامی تبلیغ واشاعت، تعلیم وتربیت اور سیاست ومعاشرت کا مرکز تھا۔اس مقام کے دیگر سلطنتوں کے مراکز کے ساتھ موازنے سے شہنشاہ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکز کی سادگی کی تشکیل نظام میں اہمیت کا پتا چلتا ہے۔اس کا دروازہ دربان سے خالی تھا مگر ہر خاص وعام کے لیے کھلا تھا، اس کا منبر زروجواہر سے مزین نہ تھا مگر ہر طبقے کو ایک ملت میں شامل ہونے کی دعوت دیتا تھا اور اس مرکز میں ہونے والی ہر منصوبہ بندی دنیاوی عصبیت کی بقا کے لیے نہیں بلکہ اللہ وحدہ لاشریک کی حکومت کے قیام کے لیے ہوا کرتی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشکیل کردہ نظام کے بنیادی مقاصد میں عقائد کا اعمال میں اظہار، اعمال میں شریعت پر کامل انحصار، جاہلی عصبیت کا مکمل خاتمہ اور ملت واحدہ کا قیام بھی شامل ہیں۔ ان مقاصد کا حصول اور ایک مرکز کی حیثیت سے مسجد کی تعمیر پر ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''اسلام کے نظام اور اس کے آداب کا تقاضا یہ ہے کہ جملہ مسلمان مضبوط اور راسخ وحدت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور اللہ کی رسی یعنی اس کے حکم اور اس کی شریعت کو جمع ہو کر تھامے رکھیں لیکن اگر اسلامی معاشرے کے مختلف اطراف میں ایسی مساجد قائم نہیں ہوں گی جہاں جمع ہو کر مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شریعت کو سمجھ سکیں جس سے علم ومعرفت کے ساتھ ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہیں، تو اس طرح ان کی وحدت پارہ پارہ ہو کر بکھر جائے گی اور بہت جلد خواہشات اور شہوات ان میں تفرقہ ڈال دیں گی۔مسلم معاشرے اور جدید اسلامی حکومت میں الٰہی تصورات کو قائم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کاموں سے پہلے مسجد تعمیر فرمائی۔''(۱۴)

مواخات:

انسانی شخصیت کے تحقیقی جائزے سے تین طرح کی شخصیات تاریخ میں زیر مطالعہ رہی ہیں:

۱۔ نفسیاتی شخصیت ۲۔ نظریاتی شخصیت ۳۔ روحانی شخصیت

ملی اخوت میں جب مذکورہ تین طرح کی شخصیات، نظریاتی بنیادوں پر باہمی تعلق قائم کرتی ہیں تو چونکہ نفسیاتی اور روحانی طور پر وہ ایک دوسرے سے کم یا زیادہ مختلف ہوسکتی ہیں اس لیے اس اخوتِ باہمی میں قربانی، ایثار، درگزر اور مجموعی

طور پر آزمائش ہوتی ہے۔نفسیاتی طور پر ایک دوسرے سے ہم آہنگ اشخاص ایک دوسرے کے تقرب میں خاص چاشنی محسوس کرتے ہیں۔ جبکہ روحانی طور پر ایک درجے کے اشخاص کے ذوق وشوق ایک ہی ہوتے ہیں۔اسی طرح خونی رشتوں میں بندھے لوگ خواہ کسی بھی طور کے اختلاف رکھتے ہوں وہ رشتوں کے بندھن میں بندھے ہی رہتے ہیں۔مگر ملی اخوت بالخصوص اسلامی دینی اخوت میں جڑا انسان نفسیاتی اور روحانی ابتدائی منازل طے کر چکا ہوتا ہے۔اس کے بعد وہ ذہنی وقلبی طور پر ملی وحدت میں باہم مل جانے کے لیے خود کو تیار کر کے اس رشتے میں منسلک ہو جاتا ہے۔یہ کسی بھی دنیاوی تعلق داری سے بالکل جدا اور منفرد تعلق داری ہے جو سراسر دینی حمیت کو نبھانے پر انسان کو ہر وقت تیار رکھتی ہے اور شیطان کے بہکاوے اور رب رحمٰن کی رہنمائی میں سے کسی ایک سے متاثر ہونے کی بنا پر کبھی کمزور اور کبھی پختہ ہوتی رہتی ہے مگر ٹوٹتی نہیں۔اس تعلق داری کا بہترین اظہار اور عملی مثال مدنی دور کے اولین ایام میں جاری کردہ یہ مواخات ہے جس کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''اسلامی تہذیب اخلاق اور تکمیلِ فضائل کا اعلیٰ نمونہ ہے۔اس سلطنت الٰہی کے لیے وزراء، ارباب تدبر، سپہ سالاران لشکر ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں۔شرف صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا۔اوران میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درس گاہِ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پا کر نکلیں۔اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحادِ مزاج موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضروری ہے۔تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سیکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شانِ نبوت کے خصوصیات میں سے ہے''۔(۱۵)

گویا تعمیر مسجد نبوی کے ساتھ دوسرا اہم اقدام جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا وہ انصار ومہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات کا قیام تھا(۱۶)۔اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تآخوا فی اللہ اخوین اخوین. پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ھذا اخی (۱۷)۔اس اقدام نے آگے چل کر ریاست مدینہ کی تشکیل اور مضبوط تہذیب میں کلیدی عمل ہونے کا ثبوت دیا۔یہاں نظریاتی طور پر یکساں ہونے کی بنا پر قائم ہونے والے بھائی چارے کا کسی مفاہمتی حکمت عملی میں اہم ہونا دکھائی دیتا ہے۔آپؐ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں اسلامی مواخات کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی نصیحت فرمائی۔یوں آپؐ نے ملت اسلامیہ کو تقویت پہنچانے اور اس کے استحکام کے لیے جو طرز عمل اختیار فرمایا وہ اپنی عملی شکل میں نافذ ہونے کے بعد ملت اسلامیہ کے عروج کا سبب بنا۔

بقول ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی:

''اس سے واضح ہوتا ہے کہ اخوت کا مدار اور اس کی بنیاد اسلامی تعلق ہے جس کی ہجرت کے بعد کے مخصوص حالات میں جب مہاجرین اور انصار ایک جگہ اکٹھا ہوئے، تجدید اور تقویت کی گئی، حقیقت میں یہ وحدت دین اور وحدت عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی اخوت تھی جسے عملی طور پر مستحکم کر دیا گیا''۔(۱۸)

میثاق مدینہ و دیگر معاہدات:

میثاق مدینہ وہ اہم معاہدہ ہے جس کو بین المذاہب معاہدے کا درجہ حاصل ہے۔ یہ ان بین الاقوامی اصولوں کو متعارف کرانے والی دستاویز ہے جن کا کسی بھی بین الاقوامی سیاسی معاہدے میں ہونا لازمی امر ہے۔ اسی قسم کے معاہدے کی بدولت ہی اقوام، باہمی وحدت، علاقائی امن واستحکام اور تہذیبی بقا اور ترقی جیسے ثمرات حاصل کیا کرتی ہیں۔ یہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ درس ہے جس سے تا قیامت انسانیت فیض حاصل کرتی رہے گی (۱۹)۔ ڈاکٹر لقمان سلفی تحریر کرتے ہیں:

''یہ عہد نامہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ اسلام خیر سگالی والا دین ہے اور لوگوں کو ان کے دین اور مال و جائیداد کے سلسلے میں پوری آزادی دیتا ہے اور یہ کہ یہاں کے رہنے والے سب لوگ اسلام کے سایے میں خوش وخرم زندگی گزاریں بشرطیکہ بدعہدی نہ کریں''(۲۰)۔ میثاق مدینہ کی کل سینتالیس (۴۷) شقیں وثائق السیاسۃ میں نقل کی گئی ہیں۔(۲۱)

اس میثاق کے اہم فریق یہود نے بعد ازاں اس معاہدے کو توڑتے ہوئے مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کی جس کے نتیجے کے طور پر ایک تو یہود کی اسلام دشمنی عریاں ہوگئی اور دوسرے مسلمانوں پر بوقت ضرورت دشمن کو اس کے ظلم سے باز رکھنے کے لیے جہاد بالسیف کی اہمیت بھی واضح ہوگئی۔(۲۲)

دیگر معاہدات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر اقوام کے ساتھ کیے ان میں سے ایک سینٹ کتھرین کے راہبوں کے ساتھ کیا گیا وہ صلح نامہ ہے جس کی شقیں انسانی حقوق کے چارٹر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

عدل وانصاف کے ساتھ ثالثی کا کردار:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین مفاہمتی طرز عمل کی جو مثالیں امتِ مسلمہ کے لیے قائم فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپؐ پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے جب بھی غیر مسلم گروہوں نے آپؐ کو ثالث تسلیم کیا آپؐ نے عدل و انصاف کے اسلامی تقاضوں کو ہمیشہ پورا کیا۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ کسی ایک مقام پر بھی آپؐ نے طاقت ور اور مضبوط پوزیشن رکھنے کے باوجود محض امتِ مسلمہ کی فلاح کے لیے بھی عدل وانصاف کے منافی کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔ آپؐ نے تاجدارِ مدینہ ہونے کی حیثیت سے جتنے بھی مقدمات کے فیصلے فرمائے ان میں غیر مسلموں کے باہمی فیصلے ان کے مذہب کے مطابق فرمائے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان فیصلے انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فرمائے۔ آپؐ نے عدل وانصاف کے ساتھ حکم کا کردار ادا فرمایا جو آپؐ کی مضبوط حکمت عملی کا عکاس ہے اور اس حکم الٰہی کی تفسیر بھی کہ:

ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان الا تعدلوا. اعدلوا ھو اقرب للتقوی (المائدہ:۸)

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتعل نہ کردے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔عدل کیا کرو یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل نے ہر طرح کی عصبیت کا خاتمہ کر دیا۔اسلام اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر علیہ السلام پر اقوام عالم کا اعتماد اتنا گہرا بیٹھ گیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام چہار دانگ عالم میں پھیل گیا اور لوگ جوق در جوق اس مذہب امن کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

جہاد:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں جا بجا جہاد کی تلقین فرمائی ہے۔لفظ جہاد کی لغوی تشریح کچھ اس طرح ہے:**الجھد: المشقة، النھایة والغایة، الوسع والطاقة**

قرآن پاک میں ہے:**والذین لا یجدون إلا جھدھم**۔(۲۳)

جہاد اپنے وسیع اسلامی تصور میں جملہ اسلامی تعلیمات کے اندر سمایا ہوا ہے۔رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاعت کردہ نظامِ امن کے قیام میں جہاد کا مقام از بس لازم ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و جاھدوا فی اللہ حق جھادہ۔(الحج:۷۸)

''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔''

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کے طور پر اگر اسوہ حسنہ کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جہاد کا حق کیا ہے جس کے ادا کرنے کا تقاضا مسلمانوں سے اس آیت مبارکہ میں کیا جا رہا ہے۔بالاختصار یہ کہ راہ حق میں پیش آنے والی جدوجہد کی ادائیگی میں تاخیر، ناکامی کی صورت میں رحمت خداوندی سے مایوس ہو کر جہاد کو ترک کر دینا یا خود ساختہ مصلحت کو اختیار کرتے ہوئے خاموش بیٹھ رہنا اسلامی تصور جہاد کے منافی امور ہیں۔ان کے برعکس مجاہد فی سبیل اللہ سے حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی میں آخر دم تک مستعد رہنے کی توقع کی گئی ہے۔نیز ایسا کرنے میں ہر دم ہشاش بشاش اور مسرور رہنے والے کو مومن کہا گیا ہے۔

دعوتِ دین:

کامیاب مفاہمت کے قیام کا مطلب یہ نہیں کہ مخالفین کی دل آزاری کے خوف سے دعوت وتبلیغ کے فریضے کو ترک کر دیا جائے یہ تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔اس کے بجائے کامیاب مفاہمت کا تقاضا اور مقصد پُر امن فضا میں دعوت وتبلیغ کے اجرا کو یقینی بنانا ہے۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے بعد پہلا کام باطل اقوام کو دعوتِ حق دینے کا کیا۔اس سلسلے میں عرب اور اس کے اردگرد قائم سلطنتوں کے فرماں رواؤں کی جانب

اپنے سفیروں کو دعوت حق پر مبنی نامہ ہائے رسالت دے کر روانہ فرمایا۔

''نظام حکومت نبویہ'' میں الشیخ عبدالحی الکتانی نے ایک فصل ''نبیؐ کے سفیر، کامل العقل، فصیح اللسان اور مخالف کو مسکت دلائل سے قائل کرنے والے تھے''۔ کے عنوان سے قائم کی ہے۔ جس میں مختلف سیرت نگاروں کے حوالے سے انہوں نے اس قلمی دعوت کے اہم نکات قاری کے سامنے بے نقاب کیے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعوت میں جامع، دوٹوک اور کہیں مدلل اور کہیں سخت انداز میں اس وقت کے عظیم بادشاہوں کو مخاطب کیا ہے(۲۴)۔اس میں یہ فلسفہ واضح دکھائی دیتا ہے کہ:

۱۔ دعوت کا کام اعلیٰ سطح سے شروع ہونا چاہیے۔

۲۔ بادشاہوں کے ہاں فلسفہ حکومت وسلطنت جس مقام پر ہوتا ہے اس کے لحاظ سے آپ کا طرزِ تخاطب ایک اہم ترین نمونہ ہے۔

۳۔ اہل کتاب بادشاہوں کے لیے وحی کا لایا ہوا نظام مان لینے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہونا چاہیے اس لیے انہیں وحی کے نظام کو قبول کر لینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے تھی۔

۴۔ اسلامی قوت کا مظاہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے کرنا مقصود تھا۔

۵۔ اس پہلے خطاب نے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحاب کرام رضی اللہ عنھم کے ہاتھوں اسلامی قوت کا عملی اظہار ان سلطنتوں کی شکست کی صورت میں کر دیا۔

فلاح عامہ کا دستور/ خطبہ حجۃ الوداع:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کے لیے جو دستور ارشاد فرمایا ہے وہ فلاح عامہ کا وسیع تصور اپنے اندر رکھتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع جو بنیادی انسانی حقوق کا جامع ترین نظام اہل دنیا کو دیتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے جس میں جاہلی رسوم کے خاتمے کا اعلان، ظلم کے ہاتھ باندھنے کا عزم، بنیادی انسانی حقوق کا تعین اور معاشرتی ڈھانچے کی تعمیر کرتے ہوئے امت مسلمہ کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔(۲۵)

وسیع سلطنت کے عظیم فرماں روا کا اپنی قوم سے یہ آخری خطاب تھا جس کا جائزہ لیتے ہوئے سید امیر علی نے لکھا ہے:

> ''اس خطبے میں نہ تو اتنی شاعری ہے نہ اتنا تصوف جتنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہاڑی خطبے میں تھا، لیکن اس میں نہ صرف ایسی عملی دانش مندی ہے جو اعلیٰ طبائع کو پسند آتی ہے بلکہ ادنیٰ طبائع کی صلاحیتوں اور تقاضوں سے مطابقت بھی ہے، جنھیں اخلاقی رہنمائی کے لیے مثبت اور مکمل ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے''۔(۲۶)

مذکورہ بالا چند نکات کی روشنی میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل میں ہمیں ایک متوازن اور اصولی نظام ملتا ہے جس میں کسی قسم کی مصالحت کے لیے عدم قبولیت کی روش کے ساتھ ساتھ عمل میں ٹھہراؤ بھی پایا جاتا ہے۔ رسول پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے محدود نظام کے بجائے عالمگیر وحدت کا نظام بہترین حکمت عملی سے معرض وجود میں لا کر بعد کی انسانیت کے لیے مثال دی ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) حسن کامل الملطاوی، رسول اللہؐ فی القرآن الکریم، ص۱۳، دارالمعارف قاھرہ:عبدالحلیم محمود، الدکتور، القرآن والنبیؐ،ص ۵، دارالمعارف،قاھرہ،س۔ن (۲) اسماعیل بن کثیر،معجزات النبیؐ،ص۲۱،عالم الکتب لبنان،۲۰۰۵ء

(۳) محمد بن اسحاق بن یسار، سیرۃ ابن اسحاق،ص:۸۸، (ر:۱۱۴)،معھد الدراسات والابحاث للتعریب،س۔ن:ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک،المعافری،السیرۃ النبویۃؐ،۱/۲۴۱،مکتبۃ العبیکان،ریاض،۱۹۹۸ء

(۴) ایضاً،۱/۲۴۳:البیھقی،ابواحمد بن الحسین،۲/۵۶،دارالکتب العلمیہ لبنان،۲۰۰۲:محمد الصویانی،السیرۃ النبویۃؐ،۱/۴۷

(۵) سیرۃ ابن اسحاق،ص:۱۱۴-۱۱۵:اکرم ضیاالعمری،الدکتور،السیرۃ النبویۃؐ الصحیۃ،۱/۱۴۷،مکتبۃ العبیکان ریاض،۲۰۰۳ء

(۶) محمد ابوزھرۃ،خاتم النبیینؐ،۱/۵۸۴،دارالتراث لبنان،۱۹۷۲ء:ابن کثیر،البدایہ والنھایۃ،۳/۱۳۷،دارابن حزم،۲۰۰۹ء

(۷) السیرۃ النبویۃؐ،۴/۲۶-۲۷ (۸) ایضاً،۴/۲۵۸-۲۵۹ (۹) خاتم النبیین،۱/۴۱۰

(۱۰) السیرۃ النبویۃؐ،۱/۲۸۸-۲۹۱ (۱۱) ایضاً،۱/۳۶۷،ابن سعد،الطبقات الکبری،۱/۲۰۸،دارصادر،بیروت،س ن

(۱۲) احمد سعید بن سلم،المدینۃ المنورۃ فی قرن الرابع عشر الھجری،دارالمنار،۱۹۹۳ء:محمد محمد حسن شُرّاب،المدینۃ النبویۃؐ،۱/۳۴،دارالقلم دمشق،۱۹۹۴ء

(۱۳) السیرۃ النبویۃؐ،۲/۳۰۶:عبدالرحمٰن السھیلی،الروض الأنف،۲/۳۳۶ داراحیاء التراث العربی،لبنان،۲۰۰۰ء

(۱۴) محمد سعید رمضان البوطی،ڈاکٹر،فقہ السیرۃ (ترجمہ:حافظ محمد عمران انور نظامی)،ص۲۵۰،فرید بکسٹال لاہور،۲۰۰۹ء

(۱۵) شبلی نعمانی،سیرت النبیؐ،۱/۲۹۵،ناشران قرآن،لاہور/ ۱۳۶۴ھ

(۱۶) السیرۃ النبویۃؐ،۴/۱۰۴:الطبقات الکبریٰ،۱/۲۳۸:عبدالرحمٰن السھیلی،الروض الانف،۴/۱۷۷

(۱۷) الروض الانف،۴/۱۷۱-۱۷۴:حمیداللہ،الدکتور،مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی،ص۱،مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشیر القاھرہ،۱۹۴۱ء

(۱۸) سعید رمضان البوطی،ڈاکٹر،(مترجم:ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی)،دروس سیرتؐ،ص۲۷۳،نشریات،لاہور،۱۹۹۹ء

(۱۹) السیرۃ النبویۃؐ،۲/۳۶۸،دارالحدیث،القاھرہ،۲۰۰۴

(۲۰) لقمان سلفی،ڈاکٹر،الصادق الامین،ص۳۰۷،الفرقان ٹرسٹ،مظفرگڑھ،س ن

(۲۱) وثائق السیاسیۃ للعھد النبوی،ص۵۹

(۲۲) Power Manifestations of the Sirah,PP:122,123,Institute of Contempora ry Islamic Thought, Canada, 2011

(۲۳) المعجم الوسیط،۱/۱۴۲،(جھد)ادارۃ العامۃ للمجمات واحیاء التراث،کتاب خانہ ملی ایران، ۱۸۸۵ھ

(۲۴) عبدالحیٔ الکتانی،نظام حکومت نبویہ،(مترجم حافظ محمد ابراہیم فیضی)،ص۲۳۹،فرید بک سٹال لاہور،۲۰۰۵ء

(۲۵) دروس سیرت،ص۶۰۸-۶۱۴

(۲۶) سید امیر علی،روح اسلام،(ترجمہ:محمد ہادی حسین)،ص۲۱۳،ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور،۱۹۹۰ء

قرآن وسنت میں اِنسانی حقوق کا تصور

محمد جنید ندوی*

ABSTRACT:

Human right is an attractive term that includes all those rights that human beings must have to live and let live in peace and harmony. It fulfills their right to enjoy freedom of action and speech without fear of subjugation. It is a term that embraces more than a conceptual understanding of freedom of human beings as it also signifies the conditions by which such freedoms should be conducted. The United Nations defines Human Rights as those rights, which are inherent in our nature and without which we can not live as human beings (Human Rights, Questions & Answers, (1987) United Nations, New York).

The aim of this monograph is to provide an over view of human rights as a concept and a practice for the establishment of a truly humane and civilized society. The sources used in this paper are based on Qur'an and Sunnah with a retrospective approach to vividly describe the conditions under which people have been led to encourage specific categories of rights. This monograph will acquaint the readers with human rights concept of Islam.

سماجی علوم کے ماہرین اِنسانی حقوق کی بنیاد اِس مفروضہ پر قائم کرتے ہیں کہ تمدنی زندگی بسر کرنے سے پہلے اِنسان فطری حالت پر تھا۔اور اِس فطری حالت میں اِنسان کچھ متعین اُصول رکھتا تھا جنہیں ہنوز کسی نے غصب نہیں کیا تھا۔لیکن جب اِنسان کو اپنے فطری حقوق کے تحفظ کے لیے خطرہ لاحق ہوا تو اُس نے معاشرتی زندگی اِختیار کی۔لہذا معاشرہ کا وجود اِنسان کے فطری حقوق کے تحفظ کے جذبہ کا رہینِ منت ہے۔اِسی بنا پر معاشرہ کا یہ فرض گردانا گیا کہ وہ اِنسان کے فطری حقوق کا تحفظ کرے۔چنانچہ، اِن فطری حقوق کو ''بنیادی اِنسانی حقوق'' کا نام دے دیا گیا۔اَقوامِ متحدہ کی مجلس نے ۱۹۴۸ء میں ایک منشور شائع کیا جو ''منشور حقوقِ انسانیت'' (Human Rights Charter) کے نام سے معروف ہے اور جسے اِنسانی حقوق کے حوالے سے حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔اِس منشور کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اِنسان آزاد پیدا ہوتے ہیں اور بنیادی حقوق کے یکساں حقدار ہیں۔زندگی، آزادی اور جان کی حفاظت اِنسان کا حق ہے۔اِنسانی غلامی ممنوع ہے۔بے رحمی کے سلوک سے حفاظت اِنسان کا حق ہے۔ہر اِنسان یکساں قانون کے سلوک کا حقدار ہے۔کسی اِنسان کو بلاقصور گرفتار، نظر بند یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔اِلزام کے ثابت نہ ہونے تک، ملزم کو بے قصور تصور کیا جائے گا۔معاملات زندگی میں عدم مداخلت فرد کا حق ہے۔نقل وحرکت کی آزادی ہے۔ایک ملک سے دوسرے ملک جا بسنے کی آزادی ہے۔

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، کلیۂ علومِ اسلامیہ، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد　برقی پتا: mjunaidnadvi@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۱۱/مارچ ۲۰۱۲ء

حقِ قومیّت۔نکاح کا حق۔حقوقِ جائیداد۔خیالات،ضمیر،مذہبی آزادی۔اِظہارِ خیالات اور اجتماعات میں شرکت کی آزادی ہے۔اپنے ملک کی حکومت میں شرکت کا حق ہے۔تعمیرِ خویش کے لیے وسائل و ذرائع کی آزادی۔حسبِ منشا کام کاج کرنے کی آزادی۔آرام اور فرصت کی آزادی۔معیارِ زندگی کی آزادی۔تعلیم کا حق۔جماعتی اور ثقافتی زندگی کا حق۔(۱)

بنیادی مسئلہ:

مندرجہ بالا بنیادی اِنسانی حقوق کا تعین ایک قابلِ ستائش کاوش ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ کیا اقوامِ عالم اِس منشور پر عمل درامد کر رہی ہیں؟ تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ اِن حقوق کا احترام اور اِن پر عمل کرنا تو کرنا تو ایک طرف رہا،انسانوں پر اِس قدر مظالم کیے گیے ہیں کہ اِنسانی ضمیر کانپ اُٹھتا ہے۔دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ متذکرہ ''منشورِ حقوقِ انسانیت'' کی ناکامی کے اَسباب وعلل کیا ہیں؟ تیسرا اہم سوال یہ ہے کہ اگر انسانوں کی فکری کاوش کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والا ''منشورِ حقوقِ انسانیت'' ناکام ہو گیا ہے،تو کیا اِس کا متبادل ''منشورِ حقوقِ انسانیت'' موجود ہے؟ اگر ہے تو کون سا ہے؟ اِس کی تاریخ کتنی پرانی ہے؟ کیا وہ ''منشورِ حقوقِ انسانیت'' اِنسانی ذہن کی اِختراع ہے؟ یا کسی مافوق الفطرت ہستی نے کسی اِنسان کے قلب وذہن پر القا کیا ہے؟ اور کیا وہ اِنسان عام اِنسانوں سے مختلف صفات کا حامل ہے؟

زیرِنظر مقالہ میں مندرجہ بالا سوالات کا جواب تلاش کرنے کے علاوہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چودہ سو برس قبل،محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو کن اِنسانی حقوق سے روشناس فرمایا تھا۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا مسلمانوں کا ایمانی تقاضا ہے۔

اِنسانی حقوق کا مفہوم:

یہ ایک حقیقت ہے کہ اِنسان طبعاً معاشرت پسند واقع ہوا ہے۔اِس کی اجتماعی جبلّت اُسے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل جُل کر رہنے پر مجبور کرتی ہے۔وہ اپنی پیدائش سے لے کر تا دمِ زیست اَن گنت اِنسانوں کی خدمات،توجہ،امداد اور سہاروں کا محتاج ہے۔اپنی پرورش،خوراک،لباس،رہائش اور تعلیم وتربیت کی ضروریات ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنی فطری صلاحیتوں کے نشوارتقا اور اُن کے عملی اظہار کے لیے بھی وہ اِجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔یہ اِجتماعی زندگی اُس کے گرد تعلقات کا تانا بانا تیار کرتی ہے۔خاندان،برادری،محلے،شہر،ملک اور بحیثیت مجموعی پوری نوعِ اِنسانی تک پھیلے ہوئے تعلقات کے یہ چھوٹے بڑے دائرے اُس کے حقوق وفرائض کا تعین کرتے ہیں۔ماں،باپ،بیٹے،شاگرد،اُستاد،مالک، ملازم،تاجر،خریدار،شہری اور حکمران کی بے شمار مختلف حیثیتوں میں اُس پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اور اُن فرائض کے مقابلہ میں وہ کچھ متعین حقوق کا مستحق قرار پاتا ہے(۲)۔اِن حقوق میں بعض کی حیثیت محض اَخلاقی ہوتی ہے۔مثلاً بڑوں کا حقِ اَدب،چھوٹوں کا حقِ شفقت،ضرورتمند کا حقِ اِمداد،مہمان کا حقِ تواضع وغیرہ۔اور بعض حقوق کو قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔مثلاً حقِ ملکیّت،حقِ اُجرت،حقِ مہر اور حقِ معاوضہ وغیرہ۔(۳)

اِنسانی حقوق کی مختصر تاریخ:

اہل مغرب بنیادی اِنسانی حقوق کے تصور کی اِرتقائی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح کے یونان سے کرتے ہیں۔ پھر پانچویں صدی کے زوال پذیر روم سے اپنی سیاسی فکر کا رشتہ جوڑتے ہوئے ایک ہی زقند میں گیارہویں صدی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چھٹی سے دسویں عیسوی تک کا پانچ سو سالہ عہد اُن کی مرتّب کردہ تاریخ سے غائب ہے۔ اِس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ شاید یہ کہ یہ اِسلامی عہد ہے (۴)۔ اِنسانی حقوق کی اِرتقائی تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یونان کے فلسفیوں نے بلاشبہ قانون کی حکمرانی اور عدل و اِنصاف پر بہت زور دیا ہے اور اِس کی ضرورت اور اہمیت پر بڑی فاضلانہ کتابیں تصنیف کی ہیں، لیکن اِن کے ہاں اِنسانی مساوات کا کوئی تصوّر ہمیں نہیں ملتا۔ وہ ہندوستان کے برہمن (حکمران اور مذہبی پیشوا)، چھتری (فوجی خدمات انجام دینے والے)، ویش (تجارت اور زراعت پیشہ لوگ) اور شُودر (بقیہ تین ذاتوں کے خدمت گار اور غلام) طبقوں کی طرح اِنسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور منوشاستر کی طرح اُن کے ہاں بھی یہی چار طبقات ملتے ہیں۔ اَفلاطون اپنی کتاب 'جمہوریت' میں حکمرانی کا حق صرف فلسفیوں کو دیتا ہے اور پھر بقیہ افرادِ معاشرہ کو فوجیوں، کاشت کاروں اور غلاموں میں تقسیم کرتا ہے۔ اِسی طرح، اَرسطو کا تصورِ اِنصاف بھی اَفلاطون سے ملتا جلتا ہے (۵)۔ روم کا مشہور عیسائی مقنّن سسرو (Cicero) اور اُس کے ہم عصر قانون سازوں نے اپنے وضع کردہ قوانین میں اِنفرادی ملکیّت کے حق کو بطور خاص تحفظ دیا۔ اِس سے ایک طرف فرد کی اہمیّت تسلیم کی گئی اور دوسری طرف بنیادی حقوق کی تعریف کے لیے ایک بنیاد فراہم ہوگئی۔ بنیادی حقوق کی جِد وجُہد کا اصل آغاز گیارہویں صدی میں برطانیہ میں ہوا، جہاں ۱۰۳۷ء شاہ کانریڈ ثانی (KingConrad-II) نے ایک منشور کے ذریعے پارلیمنٹ کے اِختیارات متعیّن کیے۔ اختیارات کے تعیّن کی اِن ہی کوششوں نے بالآخر ۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو میگنا کارٹا (Megna Carta) نامی منشور کا جنم ہوا، جو اِبتدا میں بادشاہ اور اُمراء کے مفادات کا تحفظ کرتا تھا، عوام کے حقوق کا اِس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ۱۳۵۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے اِس منشور کی توثیق کر دی۔ چودھویں سے سولھویں صدی تک یورپ پر میکاولی کے نظریات کا غلبہ رہا جس نے آمریت کو اِستحکام بخشا، بادشاہوں کے ہاتھ مضبوط کیے اور اِقتدار کو زندگی کا اصل حصول قرار دے دیا۔ اِنقلاب فرانس (French Revolution)؛ ۱۷۸۹ء۔۱۷۹۹ء؛ کے بعد 'جان لاک' نے 'معاہدہ عمرانی' کا نظریہ پیش کیا، اور اِس میں فرد کے حقوق پر مدلل بحث کی۔ ۱۷۶۲ء میں فرانسیسی مفکر 'رُوسُو' نے معاہدۂ عمرانی کا نئے انداز سے جائزہ لیا۔ ۱۷۸۹ء میں اَمریکی کانگریس اور اِس کے تین سال بعد فرانس کی قومی اَسمبلی نے منشور اِنسانی حقوق منظور کیا۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر کی جانے والی کوششوں کے نتیجہ میں بالآخر ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو مجلسِ اقوامِ متحدہ نے 'منشور حقوقِ اِنسانیت' (Charter of Human Rights) بنا دیا۔ (۶)

اِنسانی حقوق کی مختصر تاریخ یقیناً قابلِ ستائش ہے لیکن جب ہم اِس کے نظریاتی اور عملی پہلوؤں کا جائزہ لیں تو یہ

سوالات پیدا ہوتے ہیں: کیا ایک عالمگیر اِنسانی حقوق کے منشور کو مرتب اور منظور کر لینے سے فی الحقیقت اِن حقوق کے تحفظ کی قابل اطمینان ضمانت مہیا ہوگئی ہے؟ کیا یہ عالمی منشور ایک فرد کو آمریّت وفسطائیت کے چنگل سے نجات دلانے میں کامیاب ہوگیا ہے؟ کیا اِکیسویں صدی کا اِنسان فی الواقع بارہویں یا سولہویں صدی کے غلام اور مقہور اِنسان کے مقابلے میں زیادہ محفوظ، پُر اَمن اور خوف وخطر سے آزاد زندگی بسر کر رہا ہے؟ آیئے! اِن سوالات کا جواب علوم عمرانیات کے مفکرین کی تحریروں کی روشنی میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

روسو نے ۱۷۵۰ء میں کہا: ''انسان آزاد پیدا ہوا تھا لیکن وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔'' تقریباً دو سو سال بعد ۱۹۴۷ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر میکلوین نے اَپنے عہد کے اِنسان کی زبوں حالی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''مدوّن تاریخ کے کسی بھی دور میں فرد کو ریاست سے کبھی اتنا سنگین خطرہ لاحق نہیں ہوا، عدلیہ کو اِنتظامیہ کے مقابلے میں کبھی اِتنی بے بسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور اِس خطرے کو محسوس کرنے اور اِس کے تدارک کی تدابیر سوچنے کی اِتنی ضرورت شدید ضرورت پہلے کبھی نہیں پڑی جتنی آج ہے'' (۷)۔ چوتھائی صدی بعد ۱۹۷۰ء میں اِنسان کے بنیادی حقوق کو لاحق خطرات کا جائزہ لیتے ہوئے رابرٹ ڈیوی (Robert Dewey) اپنی تشویش کا اِظہار یوں کرتا ہے: ''تقریباً دو سو سال قبل انقلابی ہنگامہ آرائیوں کے موقع پر جو آج کی ہنگامہ آرائیوں سے مختلف نہ تھیں۔ تھامس پین (Thomas Paine) نے اپنے ہم عصروں کو اِس تلخ حقیقت سے آگاہ کیا تھا: آزادی دنیا کے گرد بھاگتی پھر رہی ہے۔ اِس مفرور کو پکڑو اور اِنسانیت کے لیے بروقت ایک پناہ گاہ تیار کرو۔ آج ہزاروں چکنی چپڑی باتوں، ہزاروں اِعلانات اور منشوروں کے بعد بھی آزادی ہنوز عنقا ہے، پوری دنیا میں اِس کا نام ونشاں کہیں نہیں ہے''۔ (۸)

اِن بیانات کے مطالعہ سے اِنسانی حقوق کے بارے میں اُٹھائے جانے والے سوالات کا جواب باآسانی مل جاتا ہے۔ اِنسان کی محرومیوں اور درماندگی کے اِس طویل تاریخی پس منظر میں جب ہم بنیادی اِنسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کے کمیشن برائے اِنسانی حقوق اور اَیمنسٹی اِنٹرنیشنل کی سالانہ رپورٹوں، اخبارات ورسائل کی فراہم کردہ معلومات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ تلخ اور ناقابل تردید حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ بنیادی حقوق کی منظّم تنظیمات اور اقوام متحدہ کے منشورِ اِنسانی حقوق کے باوجود آج کا اِنسان بھی، رُوسو کے عہد کے اِنسان کی طرح ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

عمرانی علوم کے مفکرین کے تبصرے اِس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فرد کی عزت وتوقیر اور اِس کے مقام واِحترام سے دلچسپی رکھنے والے لوگ دنیا کے موجودہ سیاسی نظاموں سے سخت بیزار اور شدید کرب واِضطراب سے دوچار ہیں۔ آج یہ سوال سنجیدگی سے زیر بحث ہے کہ مجلسِ اقوامِ متحدہ کے ''منشورِ حقوقِ انسانیت'' کے ثمرات دنیا تک نہیں پہنچ رہے ہیں۔ اِس سوال کا جواب اور حل اِسلامی عہد میں پوشیدہ ہے، جو چھٹی سے دسویں عیسوی تک کے پانچ سو سالہ عہد کی مرتّب کردہ تاریخ کے صفحات سے غائب ہے۔ یہ حل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ ''منشورِ حقوقِ انسانیت'' میں مضمر

ہے۔ جو نقائص سے پاک ہے۔ یہ منشور آج بھی وہ نتائج فراہم کرسکتا ہے جو دنیا کے دیگر اِنسانوں کی خود ساختہ فکر فراہم کرنے میں ناکام ہوگئی ہے۔ اِس منشور کی بنیادی کی خصوصیات یہ ہیں: اِحترام آدمیت، تحفظِ جان، تحفظِ ملکیّت، تحفظِ آبرو، نجی زندگی کا تحفظ، شخصی آزادی کا تحفظ، نکاح میں اِنتخاب کا حق، حسن ذوق کا حق، مذہبی آزادی کا حق، ظلم کے خلاف آواز کا تحفظ، آزادیٔ اِظہار رائے، آزادیٔ ضمیر واعتقاد، حقِ مساوات، حصول انصاف کا حق، معاشی تحفظ کا حق، معصیت سے اِجتناب کا حق، آزادیٔ تنظیم واِجتماع، سیاسی زندگی میں شرکت کا حق، آزادیٔ نقل وحرکت اور سکونت، حق اُجرت ومعاوضہ، مسلمانوں کے خصوصی حقوق، غیر مسلموں کے خصوصی حقوق وغیرہ۔

سنّت مطہرہ کے ہمہ گیر پہلو:

اِسلامی علوم وفنون میں آج تک جو کچھ مدوّن ومرتب ہوا ہے اس میں غالب حصہ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے اور شاید یہ کہنا بلا مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیائے علم میں مدوّنات، مصنّفات اور کتب ورسائل میں سب سے زیادہ تعداد سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرد کی سیرت نہیں بلکہ ایک تاریخی دلالت کی داستان ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سیرت اپنے تنوعات کے اعتبار سے نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو چودہ سو سال سے جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا، ''دنیا میں جب تک مسلمان ہیں، سیرت نبویہ ایک زندہ عامل کی حیثیت رکھے گی، اور دنیا کے ترقی پذیر تمدن اور تبدل پذیر حالت میں اسوہ حسنہ کے کسی ایک پہلو کو کبھی اہمیت حاصل رہے گی تو کبھی کسی اور کو''۔(۹)

اسلام اور انسانی حقوق:

تاریخی اِعتبار سے دیکھا جائے تو اِسلام میں بنیادی اِنسانی حقوق کا تصوّر اتنا ہی قدیم ہے جتنا اِنسان کا وجود۔ اِنسان کے خالق ومالک نے جس طرح اُس کی طبعی زندگی کے لیے ہوا، پانی، خوراک، روشنی اور دوسرے بے شمار اَسبابِ زندگی فراہم کیے ہیں اِسی طرح اُسے معاشرتی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ضابطۂ حیات بھی آغازِ زندگی سے عطا کر دیا تھا۔ قرآن اِس حقیقت کی واضح شہادت فراہم کرتا ہے کہ اِنسان کو اِس دنیا میں بھیجنے اور منصبِ خلافت پر فائز کرنے سے پہلے اُسے حقوق وفرائض کا شعور عطا کر دیا گیا تھا اور اسبابِ زندگی کی فراہمی کے ساتھ ہی آدابِ زندگی بھی سکھا دیے گئے تھے۔ اِس دنیا میں آنے والے اوّلین اِنسان نے اپنی زندگی کا آغاز جہل کی تاریکی میں نہیں بلکہ علم کی روشنی میں کیا تھا۔(۱۰)

بنیادی اِنسانی حقوق کے اِسلامی تصور کی بنیاد قرآنِ مجید اور سیرتِ طیّبہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کے متعیّن کردہ بنیادی حقوق کو اگر نظری مانا جائے تو سیرتِ طیّبہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عملی شکل ہے۔ خوفِ طوالت کے پیش نظر، مقالہ کے اِس حصّہ میں قُرآن مجید کے متعیّن کردہ اُن بنیادی حقوق کا مختصر خاکہ پیش کی جارہا ہے، جس کی عملی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ میں واضح طور پر نظر آتی ہے جو بلا اِمتیازِ عقائد تمام اِنسانوں کو یکساں طور پر حاصل ہیں۔

قرآن وسنت کے متعین کردہ بنیادی حقوق:

ا۔تحفظ جان

قرآنِ اور سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا امتیازِ عقائد، رنگ اور نسل، تمام اِنسانوں کی جان اِنتہائی محترم ہے۔ اِن دونوں مصادر میں تحفظ جان کی اہمیت پر جس طرح زور دیا گیا ہے اِس کی نظیر دنیا میں پائے جانے والے مذہبی، اَخلاقی یا قانونی لٹریچر میں نہیں ملتی ہے۔(۱۱)

اِس حق کی اہمیت کا اندازہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل اِرشادات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قیام کرتے ہیں تو اُن سے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو۔ روزہ رکھو اور افطار بھی کرو کیونکہ تمہارے وُجود، تمہاری بیوی اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے (۱۲)۔ فتح مکہ کے موقع پر طاقت اور قدرت رکھنے کے باوجود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام مخالفین اور شدید ترین دشمنوں کی جان بخشی کا حکم صادر فرمایا (۱۳)۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپؐ نے فرمایا: لوگو! تمہارے خون و مال ایک دوسرے پر قطعاً حرام کردی گئیں، ہمیشہ کی طرح اِن چیزوں کی حرمت ایسی ہی ہے جیسی آج تمہارے لیے اِس دن کی اور اِس ماہِ مبارک کی حرمت اِس شہر (مکہ) میں ہے۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ تم میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، اور کفار کے زمرے میں شامل ہو جاؤ۔ بعدازاں اپنے قول کی عملی مثال دیتے ہوئے فرمایا: زمانۂ جاہلیّت کے سارے خون اب کالعدم ہیں۔ پہلا اِنتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن حارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون، جسے بنی ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں (۱۴)۔ چند مختلف مواقع پر آپؐ نے فرمایا: جس نے کسی ذمی کو قتل کیا، اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنّت حرام کردی (۱۵)۔ جس نے کسی معاہد غیر مسلم کو قتل کیا وہ کبھی جنّت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا (۱۶)۔ مشرک بچے بھی تم سے بہتر ہیں، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا کی فطرت پر پیدا ہوئی ہے۔(۱۷)

قرآن اور سنت کے مندرجہ بالا مطالعہ سے پہلی اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ بلا امتیازِ عقائد، رنگ اور نسل، تمام اِنسانوں کی جان اِنتہائی محترم ہے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے دوسری اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اور پھر مدنی دور کی غزوات، واقعہ صلح حدیبیہ، فتح مکہ، میثاق مدینہ، خطبۂ حجۃ الوداع جیسے واقعات پیش آئے۔ اِن سب میں اِنسانی جان کا احترام ملحوظ رکھا گیا۔ اِنسانی حقوق کو مکمل تحفظ فراہم کیا گیا۔ اِنسانی جان کا نقصان بہت ہی کم ہوا۔ ایسی نظیر دنیا کی محفوظ تاریخ میں ہمیں نظر نہیں آتی۔

۲۔تحفظ ملکیّت

اِسلام انفرادی ملکیت کے حق کو اُصول وضوابط کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اور اِس حق کی جائز صورتوں کو اپنے نظام کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اِس سے مراد جائز ذرائع سے حاصل شدہ دولت، منقولہ اور غیر منقولہ اِملاک کا تحفظ اور حکومتی عدم مداخلت

ہے۔قرآن مجید اور سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں اِس ضمن میں واضح ہدایات اور عملی مثالیں ملتی ہیں۔(۱۸)

سیرت طیّبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اِسلامی ریاست میں تمام حقوق وواجبات مثلاً زکوٰۃ وصدقات، ماں، باپ، بیوی، بچوں، بھائی، بہنوں اور دوسرے قریبی عزیزوں کی کفالت کے مصارف، حقوقِ وراثت، حقوقِ بیع وشریٰ اور دوسرے نفقات وواجبات ادا کیے جاتے تھے۔ملک کے دفاع، اِنتظامی امور، فلاح عامہ کے منصوبوں یا ہنگامی ضروریات مثلاً جنگ، قحط، سیلاب، زلزلہ اور وبا وغیرہ سے نمٹنے کے لیے حکومت کی جانب سے مستقل یا عارضی نوعیت کے ٹیکس بھی لگائے جاتے تھے(۱۹)۔سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اُصول بھی وضع ہوا ہے کہ بشرط ضرورت، حکومت کسی کی ذاتی ملکیت کو اجتماعی مفاد کے تحت معاوضہ ادا کر کے اپنے قبضہ میں لے سکتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جو زمین منتخب فرمائی تھی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔بلا قیمت پیشکش کے باوجود آپؐ نے عام شرح کے مطابق اِس کا معاوضہ ادا فرمایا(۲۰)۔جنگ حنین کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن اُمیّہ سے زِرہیں مستعار لیں اور یہ فرمایا کہ اِن میں سے جو ضائع ہوں گی اُن کا معاوضہ دیا جائے گا(۲۱)۔تحفظِ ملکیّت کی اہمیت کا اندازہ اِس حدیث مبارکہ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔آپؐ نے فرمایا: جو شخص اپنی مال بچانے کی خاطر مارا جائے وہ شہید ہے''۔(۲۲)

سیرت طیّبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس مختصر بیان سے بنیادی اِنسانی حقوق میں تحفظِ ملکیّت کے مقام کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

۳۔تحفظِ آبرو

قرآنِ مجید سے ہمیں یہ واضح ہدایت ملتی ہے کہ اِسلامی ریاست کے ہر شہری کی عزت وآبرو کا تحفظ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔(۲۳)

بنیادی اِنسانی حقوق کے حوالے سے سیرت طیّبہ سے تحفظ آبرو کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے۔خطبۂ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان ومال کے تحفظ کے ساتھ ہی حرمت آبرو کا حکم بھی دیا(۲۴)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد اِرشادات میں لوگوں کو بلا وجہ مارنے پیٹنے اور اُن کی توہین وتذلیل کرنے سے منع فرمایا ہے(۲۵)۔اور اگر کسی مسلمان کی تذلیل اور عزت پر حملہ کا دفاع نہ کیا جائے تو وہ شخص بھی اللہ کی حمایت سے محروم رہے گا(۲۶)۔اگر کسی شخص نے کسی کی بے عزتی یا آبروریزی یا ظلم کیا ہو تو وہ اُس شخص سے معافی مانگ لے ورنہ یوم حساب مظلوم کی برائیاں اُس پر ڈال دی جائیں گی(۲۷)۔اور فرمایا: بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا ہے۔(۲۸)

قرآنِ اور سیرت کی یہ مثالیں بنیادی اِنسانی حقوق کے باب میں تحفظ آبرو کی اہمیت کو بخوبی ظاہر کرتی ہیں۔

۴۔نجی زندگی کا تحفظ

سیرت طیّبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اِسلامی ریاست میں شہریوں کی نجی زندگی کو مکمل تحفظ حاصل ہے۔

گھروں کی چار دیواری کو ایک محفوظ قلعہ کی حیثیت دی گئی ہے جس میں کسی فرد یا حکومت کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔(۲۹)

اِس ضمن میں سیرت طیّبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے گھر میں آواز یا دستک دے کر داخل ہوا کرتے تھے تاکہ ماں بہنوں اور بیٹیوں پر ایسی حالت میں نظر نہ پڑے جو بداخلاقی کے زمرے میں آتی ہو(۳۰)۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمایا: تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گے تو اُن کو بگاڑ دو گے یا کم ازکم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے(۳۱)۔جس نے کسی کے عیب کی پردہ پوشی کی گویا اُس نے ایک زندہ درگور اِنسان کو زندہ کر دیا(۳۲)۔حکمرانوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت دیکھیے۔فرمایا: حکمراں جب لوگوں کے اندر شبہات کے اسباب تلاش کرنے لگے تو وہ اُنہیں بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔(۳۳)

نجی زندگی کی اہمیت کا اندازہ سیرت طیّبہ کے مندرجہ بالا بیان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

۵۔شخصی آزادی کا تحفظ

قرآن مجید نے واشگاف انداز میں شخصی آزادی کی ضمانت فراہم کی ہے۔قرآن کا واضح حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو آزادی عطا کی ہے اُسے کوئی عام حکمران تو درکنار خود خدا کا رسول بھی سلب نہیں کرسکتا ہے۔(۳۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ اسلامی ریاست میں کسی شہری کو کھلی عدالت میں جرم ثابت کیے بغیر قید نہیں کیا جاسکتا ہے۔محض شک کی بنیاد پر لوگوں کو گرفتار کرنا اور عدالتی کاروائی کے بغیر اُنہیں جیل میں ڈال دینا جائز نہیں۔آج ''امتناعی نظر بندی'' کے زیرعنوان ''ریاست کی سلامتی'' کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اِسلامی قانون میں اِس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔اِسلام کا انداز فکر یہ ہے کہ سزا سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔اور اسباب وشواہد سزا کے لیے نہیں بلکہ برأت کے لیے تلاش کیے جائیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے: جس حد تک ممکن ہو مسلمانوں (شہریوں) کو سزا سے بچاؤ۔کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو اُنہیں چھوڑ دو۔یہ بات کہ اِمام (حکومت) کسی شخص کو چھوڑ دینے میں غلطی کر جائے، اِس بات سے بہتر ہے کہ وہ اُس کو سزا دینے میں غلطی کر جائے(۳۵)۔ایک اور موقع پر فرمایا: جب تک بچانے کی کوئی راہ مل رہی ہو اُس وقت تک لوگوں کو سزا سے بچاؤ۔(۳۶)

شخصی آزادی کے تحفظ کے حوالے سے مندرجہ بالا بیانات حضور مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز فکر کی واضح نشان دہی کر رہے ہیں۔

۶۔ظلم کے خلاف حقِ اِحتجاج

قرآن مجید نے شہریوں کو یہ حق دیا ہے کہ اُن پر ظلم حد سے بڑھ جائے، صبر وتحمل کا بند ٹوٹ جائے تو وہ ظلم کے خلاف آواز اُٹھائیں، ظالم سے ہرگز نہ دبیں اور اُس کے ظلم کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کریں۔(۳۷)

سیرت طیّبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہمیں اِس ضمن میں واضح راہنمائی ملتی ہے۔مظلوم کو اِس بات کا حق حاصل ہے کہ